ناھونکی مہر
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
نگہت عبداللہ

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

میں صبح ابا کو چائے پاپے کا ناشتا کروا کر گھر سے نکل آئی میری مٹھی میں چند سکے تھے جو میں نے رات ہی گھر کے کونے کھدروں سے تلاش کیے تھے اور جو بس بھیا کے گھر پہنچنے تک ہی کام آ سکتے تھے۔ اس وقت تو یہ بھی غنیمت تھے واپسی کے لیے بھیا کچھ نہ کچھ دے ہی دیں گے۔ میں اس آس پر بھیا کے گھر پہنچی تھی تو آگے وہ آفس جانے کے لیے تیار ڈائننگ پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔

میرے سلام کے جواب میں انہوں نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں اتنی صبح کیسے بلکہ کیوں آئی ہوں۔

"بھیا..... وہ..... ابا کی طبیعت بہت خراب ہے رات بھر کھانستے رہتے ہیں۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے بتایا تو بھیا سے پہلے بھابی بول پڑیں۔

"ارے بڑھاپے میں تو ہر انسان کھانستا ہے یاد نہیں تایا جی کیسے کھانستے تھے۔ ان کے لیے کتنی دوائیں کیں کوئی فائدہ ہوا۔" میں نے بے بسی سے بھیا کو دیکھا تو بھابی پھر شروع ہو گئیں۔

"مہنگائی دیکھ رہی ہو آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ کتنے اخراجات ہوتے ہیں بچوں کی فیسیں بلوں کی ادائیگیاں راشن پانی...... میرا میاں ایک کمانے والا ہے اوپر سے تم مہینے کے آخر میں پیسے مانگنے آ گئی ہو۔ کہاں سے دیں؟ ابھی عالیہ کی فیس بھی انہوں نے اپنے دوست سے ادھار پیسے لے کر دی ہے کچھ میرے پاس جمع تھے وہ کام آئے۔" مجھے بھابی کی باتیں بری نہیں لگ رہی تھیں دکھ تو بھیا کی خاموشی اور اطمینان کا تھا۔ ان کے چہرے پر مجھے ڈھونڈنے سے بھی ہلکی سی ندامت کا کوئی تاثر نہیں ملا تو میں اٹھ کھڑی ہوتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی بھیا کو مخاطب کر گئی۔

"بھیا آپ کتنے دنوں سے آئے نہیں ابا بہت یاد کرتے ہیں آپ کو۔"

"ہاں چکر لگاؤں گا۔" بھیا بے نیازی سے کہہ کر اٹھ گئے تو میں بڑی آس سے انہیں دیکھنے لگی کہ شاید مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہیں گے کہ چلو میں تمہیں گھر چھوڑتا ہوا چلا

جاؤں گا لیکن وہ تو بھابی کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

"بیٹھو صالحہ! میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔"

بھابی نے جانے کس دل سے کہا۔

"نہیں بھابی! میں ناشتا کرآئی ہوں۔" میرے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی اور پھر میں رکی نہیں' تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔ میری آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میں کہاں جارہی ہوں' بس چلتی جارہی تھی۔

دن کے آغاز پر سورج کی کرنوں میں عجیب سی چبھن تھی' یوں لگ رہا تھا جیسے بدن میں کوئی مسلسل سوئیاں چبھورہا ہو لیکن اس سے کہیں زیادہ دکھن میرے اندر تھی۔ اتنی بڑی زمین اتنا بڑا آسمان اور میں تنہا..... میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

گھر جاکر ابا کو کیا جواب دوں گی' وہ بے چارے کتنی آس سے مجھے دیکھیں گے پھر میرے پیچھے ان کی نظریں بھٹکیں گی کہ شاید بھیا آئے ہوں۔

"اور بھیا...... اُف......" میرے ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی۔

بڑے بھیا پہلوٹی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اماں ابا دونوں کی مشترکہ محبت کے حق دار تھے اور ان کا پلہ اس لیے بھاری تھا کہ ان کے بعد دو بیٹیاں مریم اور میں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ہم دونوں نظر انداز کردی گئی تھیں یا ہماری کوئی اہمیت نہیں تھی' بس بات یہ تھی کہ اکلوتا چاند آسمان پر منفرد نظر آتا ہے' سو بڑے بھیا ایسے ہی تھے۔

اسکول کالج میں تھرڈ ڈویژن لے کر آنے والے بڑے بھیا یونیورسٹی میں ایک حسینہ کے عشق میں گرفتار ہوگئے اور عمر قید کی سزا کے ساتھ ہی اس کے غلام بن گئے۔ اماں کے لیے یہ صدمہ گہرا اور تکلیف دینے والا تھا کیونکہ انہوں نے بڑے بھیا کے لیے الگ خواب سجا رکھے تھے جو یوں مٹی میں ملے کہ اماں بھی منوں مٹی تلے جاسوئیں۔ ابا نے کڑوا گھونٹ بھرا اور اپنے کمرے تک محدود ہوکر رہ گئے اور بھابی روایتی رسموں کی کتابیں پڑھ کر آئی تھیں۔ نندوں اور سسر کو برداشت کرنا تو دور کی بات وہ انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اور اس کا اظہار وہ برملا کرتی تھیں' بڑے بھیا ان کے عشق میں اندھے ہوچکے تھے پھر بھی اتنی مروت ضرور دکھائی کہ ہمیں گھر سے نکالنے کی بجائے خود ہی الگ ہوگئے اور ایسے گئے کہ اب صرف عید بقرہ عید پر ہی اپنی شکل دکھاتے تھے۔

پھر مریم باجی کو کہ بڑے بھیا سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور ابھی انٹر ہی کیا تھا کہ اماں کی سیکنڈ کزن نے اپنے بیٹے سجاد کے لیے پسند کرلیا کیونکہ اماں کے انتقال کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے بہت سادگی سے ابا نے مریم باجی کو سجاد کے سنگ رخصت کردیا تھا۔

اور اب میں ابھی انٹر کی اسٹوڈنٹ تھی' مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور میں بہت سارا پڑھنا چاہتی تھی۔ ایم اے' پی ایچ ڈی اور پھر میں بہت بڑی آدمی بن جاؤں گی۔ یہ میرے خواب تھے لیکن ابا کی بیماری نے میرا کالج بھی چھڑادیا۔ مجھے اپنے خوابوں کے ادھورا رہ جانے کا اتنا ملال نہیں تھا جتنا مجھے ابا کی بیماری نے پریشان کردیا تھا۔ میں ہمہ وقت ان کی خدمت میں لگی رہتی لیکن صرف خدمت سے کیا ہوتا ہے' دوا دارو بھی تو ہو اور ہماری گزراوقات صرف ابا کی پنشن پر تھی جس میں دال روٹی مشکل سے چلتی تھی' ابا کی دوا کے لیے پیسے کہاں سے آتے۔

پچھلی تین راتوں میں ابا ایک پل کے لیے نہیں سوئے تھے' دمے کا اٹیک شدید تھا۔ میں پوری پوری رات ان کی پیٹھ سہلاتی رہی تھی اور اب میں اسی سلسلے میں بڑے بھیا کے پاس گئی تھی کہ ابا کو ڈاکٹر کو دکھادیں لیکن ان کے کان پر تو جوں بھی نہیں رینگی۔ لوگ بیٹے کی آرزو اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بڑا ہوکر سہارا بنے گا لیکن اب تو یہ باتیں خواب و خیال ہوگئی ہیں۔

میں چلتے چلتے جانے کہاں نکل آئی تھی' سورج اب سوا نیزے پر آگیا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے' ٹانگیں الگ شل ہوگئی تھیں۔ میں نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اطراف کا جائزہ لیا تو میرا دل مزید بوجھل ہوگیا۔ سامنے مریم باجی کا گھر تھا میں کتنی دیر کھڑی ان کے

دروازے کو تکتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں؟ واپس پلٹنے کی ہمت تھی نہ مریم باجی سے ملنے کی کیونکہ ان کے حالات میں بہت اچھی طرح جانتی تھی' بے چاری کتنی مجبوریوں میں گھری ہوئی تھیں' بھرا پُرا سسرال تھا ساس' سسر' جیٹھ' جٹھانی' تین دیور اور ایک طلاق یافتہ نند جسے مریم باجی سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ ان کی خدمتوں سے جو وقت بچتا وہ مریم باجی کے دو چھوٹے بچوں کے حصے میں آتا تھا۔

میں نے سر اونچا کر کے آسمان کو دیکھا کہ شاید میرے خشک حلق میں وہی دو بوندیں ٹپکا دے لیکن وہ تو خود سورج کی تمازت میں جل رہا تھا' تب نا چاہتے ہوئے بھی میں نے مریم باجی کے دروازے پر دستک دے ڈالی اور پہلی دستک پر ہی دروازہ کھلنے کے ساتھ مریم باجی کا چہرہ نظر آیا تو میں بے اختیار ان سے لپٹ گئی لیکن شکر ہے آنسو کہیں اندر اتر کر رسوائی سے بچا گئے۔

''مجھے پتا نہیں کیوں صبح سے ایسا لگ رہا تھا کہ تم آؤ گی' ابا کی طبیعت کیسی ہے؟ انہیں بھی ساتھ لے آتی۔ بچوں کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی ورنہ روز سوچتی ہوں تم سے اور ابا سے مل آؤں۔'' مریم باجی میرا ہاتھ پکڑے نظریں چرا کر بولتے ہوئے مجھے اپنے کمرے میں بٹھا کر جلدی سے پانی لے آئیں' تو میں نے جھپٹنے کے انداز میں ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک سانس میں خالی کر دیا تو وہ پوچھنے لگیں۔

''کھانا کھاؤ گی لاؤں؟''

''نہیں باجی!'' میں نے اپنے دہائیاں دیتے پیٹ کی ایک نہیں سنی اور سہولت سے منع کر کے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''بس آپ کچھ دیر میرے پاس بیٹھیں۔''

''کہاں سے آ رہی ہو؟'' مریم باجی اب میری شکل دیکھ کر ٹھٹکیں۔

''بڑے بھیا کے ہاں گئی تھی۔'' میں نے کوشش سے سرسری انداز اختیار کیا تھا۔

''خیریت......؟'' اور خیریت کہاں تھی میرا ضبط جواب دے گیا آنسو اس روانی سے چھلکے کہ مریم باجی سمیٹتے سمیٹتے تھک گئیں۔

''بس کرو صالحہ! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' مریم باجی خود روہانسی ہو گئی تھیں اور میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب کچھ چھپانا بھی ممکن نہیں تھا' میرے آنسوؤں نے انہیں سب نہیں تو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

''ابا کی طبیعت خراب ہے' میں یہی بتانے بڑے بھیا کے پاس گئی تھی لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ باجی میں کیا کروں مجھ سے ابا کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ کاش میں انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا سکتی۔'' میں روتے ہوئے بول رہی تھی' مریم باجی ایک دم چپ ہو گئیں پھر اٹھ کر الماری میں جانے کیا تلاش کرنے لگیں تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں باجی! ابا اکیلے ہیں۔''

''ہاں ایک منٹ۔'' مریم باجی نے فوراً الماری بند کی اور اپنی بند مٹھی میرے ہاتھ میں کھول کر میری مٹھی بند کر دی۔

''باجی......''

''ابھی یہ تھوڑے سے پیسے ہیں تم ان سے کام چلاؤ' پھر میں سجاد کے ساتھ آؤں گی تو ہم ابا کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔''

''لیکن باجی......'' مجھے اپنی بند مٹھی میں نوٹ چبھنے لگے تھے یہ فرض تو بڑے بھیا کا تھا۔

''اچھا بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' باجی نے مجھے ٹوک دیا پھر تسلی دیتے ہوئے مجھے دروازے تک چھوڑنے آئیں تو میں پھر ان سے لپٹ گئی۔

''باجی! ابا اچھے ہو جائیں گے ناں۔''

''ان شاء اللہ! ابھی تو انہیں تمہاری شادی کرنی ہے۔'' مریم باجی نے پیار سے میری ٹھوڑی چھو کر مجھے بہلانے کی کوشش کی تو میں بھی فوراً مسکرائی اور انہیں خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

اپنے گھر تک آتے ہوئے میں خود بھوک سے نڈھال

ہو چکی تھی' ابا کا جانے کیا حال ہوگا۔ مجھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو بیکری سے ڈبل روٹی' انڈے اور دودھ لے کر نکلی تو سامنے سے انکل حیدر نے پکار لیا۔ حیدر انکل ہمارے محلے کے معتبر شخص تھے ان کی اپنی گارمنٹ فیکٹری تھی' شرافت اور صداقت میں پورا محلہ ان کی گواہی دیتا تھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو بیٹا! بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔'' حیدر انکل نے پوچھا تو مجھے کیونکہ اس وقت صرف ابا کا خیال تھا تو میری زبان پر ان ہی کا نام آ گیا۔

''جی وہ ابا......''

''ہاں اب کیسی طبیعت ہے تمہارے ابا کی؟''

''جی بس......'' میری آنکھوں میں پھر پانی جمع ہونے لگا تو میں نے سر جھکا لیا۔

''بیٹا! کوئی پریشانی کی بات ہوا کرے تو بلا جھجک کہہ دیا کرو۔ تم میری اپنی بیٹی کی طرح ہو۔ میں شام کو آؤں گا تمہارے ابا کو دیکھنے۔'' وہ شاید جلدی میں تھے میرا سر تھپک کر چلے گئے تو میں ان کے خلوص کو دل سے محسوس کرتے ہوئے گھر آئی تو ابا کی کھانسی نے میرا استقبال کیا۔

''ابا......'' میں نے بھاگ کر دہرے ہوتے ابا کو تھام لیا اور ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد ابا قدرے پرسکون ہوئے تو پوچھنے لگے۔

''کیا ہوا؟ بھائی ملا یا باہر ہی سے تمہیں ٹرخا دیا؟''

''ملے تھے ابا! باہر سے کیوں ٹرخائیں گے۔'' میں نے فوراً روٹھے انداز میں کہا۔

''پھر آیا نہیں تمہارے ساتھ؟''

''کل آنے کو کہا ہے' ابھی انہیں ضروری میٹنگ میں جانا تھا۔'' میں نے محض ابا کی تسلی کے لیے جھوٹ بولا تو ان کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ جھلک دکھلا کر غائب ہوگئی پھر میرا ہاتھ تھام کر بولے۔

''بیٹا! باپ سے جھوٹ نہیں بولتے۔''

''جب آپ جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھتے ہیں۔''

''اپنی تسلی کے لیے یا پھر خود کو جھٹلانا چاہتا ہوں۔'' ابا کی خود کلامی سن کر میں وہاں سے اٹھ آئی۔

شام میں حیدر انکل آئے تو ابا کے لیے ڈھیروں پھل بسکٹ اور جانے کیا کچھ لے کر آئے تھے۔ مجھے اپنی کم مائیگی پر شدت سے رونا آیا اور بڑے بھیا پر غصہ' حیدر انکل کچھ دیر ابا کے پاس بیٹھے پھر جاتے ہوئے بھی مجھ سے کہہ گئے کہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو میں بلا جھجک کہہ دوں۔

''ہاں مجھے ضرورت ہے بہت ساری چیزوں کی' اپنے لیے نہیں ابا کے لیے' اس رات میں جانے کس سے لڑ رہی تھی۔

''میرے لیے سب کچھ میرے ابا ہیں اور میں انہیں ساری نعمتیں دینا چاہتی ہوں۔''

''تو دو کس نے منع کیا ہے لیکن یاد رکھو نعمتیں یوں بیٹھے بیٹھے نہیں مل جاتیں ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے ہیں۔'' مجھے جھنجوڑا گیا۔

''میں...... میں......'' میں بوکھلا کر احتجاج کرنے لگی لیکن شنوائی نہیں ہوئی تو میں خائف ہو کر سو گئی لیکن صبح نئے عزم کے ساتھ اٹھی تھی۔

''ابا! میں حیدر انکل سے کہوں گی مجھے کہیں جاب دلا دیں بلکہ کہیں کیوں...... انکل کی اپنی فیکٹری ہے۔'' میں نے حیدر انکل کے لائے ہوئے سیب کاٹ کر ابا کو کھلاتے ہوئے کہا تو وہ میرا چہرہ دیکھنے لگے۔

''ٹھیک ہے ابا! ابھی میری تعلیم زیادہ نہیں ہے' میں ساتھ ساتھ پڑھ بھی لوں گی۔'' میں یہی سمجھی ابا میری ادھوری تعلیم جتائیں گے لیکن وہ دکھ سے بولے۔

''اب یہ وقت آ گیا ہے۔''

''کوئی برا وقت نہیں ہے' اللہ کا شکر ہے میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ میں جاب کروں گی مزید پڑھوں گی اور آپ کی خدمت کروں گی بس......'' میں نے فیصلہ سنا دیا ابا کچھ نہیں بولے البتہ ان کے چہرے کی لکیروں میں کچھ اضافہ ہوگیا تھا۔

❀ ❀ ❀

مجھے جاب کے لیے تردد نہیں کرنا پڑا' حیدر انکل نے اپنی فیکٹری میں مجھے لڑکیوں کے ڈیپارٹمنٹ کا سپروائزر

بنادیا اور ابا کی وجہ سے وقت کی قید بھی نہیں رکھی' میں آرام سے صبح دس بجے تک ابا کے اور گھر کے سارے کام نمٹا کر فیکٹری جاتی اور پانچ بجے واپس آجاتی تو پھر رات کے کھانے کے بعد گیارہ بارہ بجے تک پڑھ بھی لیتی تھی اور پھر شاید یہ مصروفیت تھی یا میرا عزم کہ میں نے جلنا کڑھنا اور اپنی بے بسی کا ماتم کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس میں اچھے دنوں کے خواب دیکھنے لگی تھی اور میرے خواب میری سوچوں کا محور صرف میرے ابا تھے۔

رات میں جب میں پڑھنے بیٹھتی تو کسی وقت میری نظریں کتاب سے ہٹ کر ابا پر جا ٹھہرتیں۔ مجھے ان پر بہت ترس آتا' بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے حالانکہ زیادہ عمر نہیں تھی ان کی۔ ان سے زیادہ عمر کے بوڑھے نہ صرف چلتے پھرتے بلکہ کام کاج بھی کرتے تھے شاید اس لیے کہ انہیں اچھی خوراک اور سب سے بڑھ کر اولاد کا سکھ میسر تھا۔

''کاش بڑے بھیا کو احساس ہوتا خود کتنے عیش و آرام سے رہتے ہیں اور ابا کا ذرا خیال نہیں۔ اس وقت میرا دل دکھ سے بھر گیا اور اچانک ایک خیال کہ ابا کو کچھ ہوگیا تو......''

''نہیں۔'' میرا دل کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔ ''ابا کو کچھ نہیں ہوگا' میں تنخواہ ملتے ہی ابا کو اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی پھر ان کی خوراک کا بہت خیال رکھوں گی۔ پھل' جوس' سوپ پھر ابا بہت جلدی بہت اچھے ہوجائیں گے حیدر انکل کی طرح۔''

اور پھر میری زندگی کا واحد مقصد ابا جن کے لیے پہلی تنخواہ ملتے ہی میں نے ڈھیروں پھل خریدے اور آئندہ کے لیے بہت کچھ سوچتی ہوئی گھر آئی تو ابا اطمینان سے سو رہے تھے۔

''ابا......'' میری آواز کی کھنک کسی نے نہیں سنی اور چند لمحوں بعد میری چیخوں سے سارا محلہ دوڑا چلا آیا تھا۔

ابا...... میرے پیارے ابا چلے گئے اور میری دنیا ویران ہوگئی۔ بڑے بھیا دنیا دکھاوے کو تین دن آئے ضرور لیکن مجھ سے جھوٹے منہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا نہ انہیں یہ تشویش تھی کہ میں اکیلی کیسے رہوں گی البتہ مریم باجی بار بار اس بات کو دہرا رہی تھیں آخر میں نے کہہ دیا۔

''میری فکر نہ کریں باجی! میں اپنے گھر میں ہوں۔''

''اپنے گھر میں تو ہو لیکن اکیلی......''

''اکیلی ہوگئی ہوں تو اکیلی ہی رہوں گی۔'' میں نے باجی کو خاموش کرادیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے میری زندگی میں اب کچھ نہیں رہ گیا تھا' میں سارا وقت ابا کے خالی تخت کو دیکھتی رہتی' کیا کچھ نہیں سوچا تھا میں نے ان کے لیے اور ان ہی کے لیے میں نے ہمت باندھی تھی۔ وہ نہیں رہے تو ہمت بھی ٹوٹ گئی لیکن پھر حیدر انکل کے سمجھانے پر میں نے پھر سے

سحرش علی

آنچل پڑھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام۔ میرا نام سحرش علی ہے میں 12 ستمبر 1994ء کو اس دنیا کے خوب صورت ضلع میانوالی میں پیدا ہوئی' ہم چار بہن بھائی ہیں اور میں ایف ایس سی کے پیپر دے کر فارغ ہوں۔ میری خوبیاں اور خامیاں کیا بتاؤں' خامیاں تو مجھ میں ہیں ہی نہیں (ہاہاہا)۔ میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں ہر حال میں سچ بولتی ہوں اور یہ اعتراف میرے گھر والے اور میری دوست سب کرتے ہیں' میرا خیال ہے یہ بہت بڑی خوبی ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے شلوار قمیص پسند ہے ساڑھی بالکل اچھی نہیں لگتی۔ پھول گلاب کا اور پرفیوم سارے ہی پسند ہیں۔ چلو اب خامی بھی بتادیتے ہیں کہ میری اپنے چھوٹے بھائی سے بالکل نہیں بنتی۔ میری جو بیسٹ فرینڈ ہیں ان کے نام بتائے دیتی ہوں سدرہ سحر' سدرہ عالم' فوزیہ' بشریٰ' نجمہ' رومانہ' سائرہ' علیشہ' اسماء اور سعدیہ یہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ میرے پسندیدہ ٹیچر اور جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا سر علی حیدر' سر رمضان' سر الیاس دانش اور سر خشک ہیں۔ اچھا جی اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

فیکٹری جانا شروع کردیا جس سے کافی حد تک میرا دھیان بٹ گیا۔ اب گھر کے کام نہ ہونے کے برابر تھے میں نے دلجمعی سے پڑھنا بھی شروع کردیا تھا۔

دو سال میں میں گریجویٹ ہوگئی اس کے بعد میں نے مختلف کورس کرنے شروع کردیے۔ خاص طور سے کمپیوٹر کورس جو اچھی جاب کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس دوران میں نے گھر کی حالت بہت بہتر کرلی تھی ویسی ہی جیسی میں ابا کے لیے چاہتی تھی۔ ابا کے لکڑی کے تخت کی جگہ بیڈ رکھ دیا اور میں تصور کرتی کہ ابا اس بیڈ پر آرام سے سو رہے ہیں۔ چھوٹا فریج لے لیا اور روزانہ پھل لا کر اس میں رکھتی پھر کوئی فقیر صدا لگاتا تو میں وہ پھل نکال کر اسے دے دیتی۔ اس سے مجھے بہت تسلی ہوتی تھی' انہی دنوں میں نے خواب میں ابا کو دیکھا صحت مند' ہنستا کھلتا ہوا چہرہ...... میں نے خوشگوار حیرت میں گھر کر پوچھا تھا۔

''ابا! آپ اتنے صحت مند کیسے ہوگئے؟''

''اتنے پھل کھلاؤ گی تو صحت نہیں پکڑوں گا۔'' ابا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اور اس کے بعد تو میں نے کبھی ناغہ نہیں کیا' مجھے یقین مل گیا تھا کہ میں جو ابا کے لیے پھل خریدتی ہوں' وہ ابا ہی کھاتے ہیں۔

پھر وقت بھاگتا چلا گیا' میرے ہاتھ میں ڈگری کے ساتھ مختلف کورسز کے سرٹیفکیٹ آئے تو پھر مجھے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب مل گئی۔ ہینڈسم سیلری لیکن پھر اسی حساب سے محنت' میں بہت مصروف ہوگئی۔ اس کے باوجود میں روانہ ابا کو پھلوں کا تحفہ بھیجنا نہیں بھولی' خواہ میں کتنی عجلت میں ہوتی راستے میں جہاں پھلوں کی ریڑھی نظر آتی میں کچھ پھل خرید کر وہیں کسی فقیر کو دے دیتی۔ بس یہ ہوا تھا کہ اب میں پھل چھانٹ کر اور ان کی تازگی کا یقین کرکے نہیں لیتی تھی کیونکہ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

اس وقت میں آفس سے نکلی تو شام گہری ہوگئی تھی' پھر سردیوں کی آمد آمد تھی' فضا میں خنکی محسوس ہو رہی تھی پھر میں عادت کے مطابق کنوینس کے لیے ایک جگہ کھڑی نہیں رہ گئی' چل پڑی تھی پھر ادھر ایک رکشہ میرے قریب آ کر رکا ادھر میری نظر پھلوں کی ریڑھی پر پڑی تو میں نے رکشہ والے کو رکنے کا کہہ کر جلدی سے کچھ پھل لیے پھر رکشہ میں بیٹھ گئی اور راستے میں تو مجھے کوئی فقیر نہیں ملا لیکن شکر ہے گھر کی گلی میں داخل ہوئی تو سامنے سے فقیر آتا دیکھ کر میں نے جلدی سے پھل کا شاپر اسے تھما دیا تھا گویا اب یہ مجھ پر ایک بوجھ ہوتا تھا جسے میں فوراً اتار پھینکنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد اطمینان سے ہو جاتی۔ اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی' گھر آ کر میں نے کھانا کھایا اس کے بعد کچھ دیر فون پر مریم باجی کے ساتھ گپ شپ کی پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

میری یہی روٹین تھی صبح کیونکہ آفس کے لیے جلدی نکلنا ہوتا تھا اس لیے میں جلدی سو جاتی تھی اور شکر ہے کہ مجھے نیند کے لیے جتن نہیں کرنے پڑتے تھے میں فوراً سو جاتی تھی۔ اس وقت بھی میں سو گئی تھی لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا میری آنکھ کھل گئی' مجھے کسی نے پکارا تھا۔

''کون......'' میں نے گھپ اندھیرے میں ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ کوئی نظر نہیں آیا لیکن کوئی تھا' میرا دل ڈوبنے لگا پھر ایک جھونکا آیا اور اس جھونکے میں واضح سرگوشی جس میں ہلکی سی سرزنش نے میری رگوں میں لہو منجمد کردیا تھا۔

''بیٹا...... پھل تو دیکھ کر لیا کرو۔''

دیکھنے کو دل مچلتا تھا۔ کیا اس کا بھی اسے دیکھنے کو دل مچلتا ہے یا نہیں؟

مگر......! اس کے برعکس عثمان کی فیلنگز کچھ اور تھیں جس روز اسے اس حقیقت کا علم ہوا تھا وہ تو گویا گہرے صدمے کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ شاکڈ تھا اسے یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ یہ سب ہوا تو کیوں؟ کس کی منشاء پر اسے تو لگا تھا کسی نے دھماکے سے اسے اڑا دیا ہو اتنا شاکڈ تھا وہ حیران بے یقین تھا۔ اس شاکنگ نیوز کا جواب لینے وہ اپنی ماں کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

"امی جو کچھ میں نے سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟" (ان دنوں وہ امی کو لے کر ایبٹ آباد آیا ہوا تھا۔ وہیں کزنز کے چھیڑنے پر اسے اس اندوہناک حقیقت کا علم ہوا تھا)

"اب مجھے کیا پتا تم نے کیا سنا ہے؟" وہ میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے اپنے چشمے کو ذرا سا اوپر کرتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"امی پلیز کہہ دیجیے کہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں از حد اپ سیٹ ہوں۔" وہ کسی قدر مضطرب و بے چین تھا۔

تبھی انہوں نے میگزین بند کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھا۔

"کیا بات ہے بیٹا' کھل کے بات کرو۔ کیوں اپ سیٹ ہو؟" اب کہ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مہر کے ساتھ میری منگنی کردی ہے؟" اس کے لہجے اور انداز میں محسوس کی جانے والی بے چینی واضطراب تھا۔ خالہ کے کمرے کی جانب آتی ہوئی وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ اپنا نام سن کر وہ وہیں اوٹ میں ہوگئی۔ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اندر ہوتی بحث سننے لگی جو اس کی ذات سے وابستہ تھی۔ انہوں نے بغور اپنے بیٹے کی جانب دیکھا تھا جس کے تاثرات کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہے تھے۔

"ہاں یہ سچ ہے! تم دس سال کے تھے جب تمہارے نانا اور باقی سب کی مرضی سے یہ رشتہ......"

"واٹ آپ نے میری منگنی کردی وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جو پاگل' سائیکو اور ال مینرڈ ہے۔ جسے نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہے اور نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز' اس کے ساتھ آپ نے میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ منسوب کردیا۔ وہ بھی اس ایج میں جب میں نابالغ تھا' مجھے سمجھ نہیں آتی ہمارے بڑے ہماری کم عمری اور ناسمجھی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے بڑے بڑے فیصلے کردیتے ہیں۔ یہ سوچے بنا کہ یہ ان کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی ہورہی ہے' اپنی محبتوں کا خراج مانگتے ہوئے بلیک میل کررہے ہوتے ہیں' یہ سوچے بنا کہ جس کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا' جسے اچھے اور برے صحیح اور غلط کا فرق کرنا سکھایا تھا اسے ازخود دھوکا دینے کا سبق سکھارہے ہوتے ہیں' اس سب کے برعکس آپ خود اچھی طرح جانتی ہیں مجھے بھی اور اس ابنارمل سی مہر اظفر کو بھی۔ میرا اور اس کا کسی بھی لحاظ سے کوئی جوڑ نہیں بنتا' آپ نہیں جانتی کتنی ایبنارمیلٹی پائی جاتی ہے محترمہ میں اور میں......!"

"اسٹاپ اٹ عثمان! برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے' میں اگر خاموشی سے سب سن رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم کچھ بھی بولتے جاؤ' میں اگر سن رہی تھی تو محض تمہارے دل کی بھڑاس نکلوانے کے لیے ورنہ میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتی ہوں اور مہر کو بھی۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں تم کتنے نارمل ہو اور وہ کتنی سائیکو وہ بچی ہماری پسند ہے' ہر صورت وہی ہماری بہو بنے گی۔ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ چاہے تم اسے ہماری محبتوں کا خراج تصور کرتے ہوئے بلیک میلنگ کا ذریعہ سمجھو اور بھلے اسے ایبنارملیٹی کا خطاب دیتے ہوئے سرعام اعلان کرتے پھرو اور ہاں کچھ دنوں بعد تمہارا اس کے ساتھ نکاح ہے' اس بات کو ذہن میں رکھ لو...... دیٹس اٹ۔" انہیں غصہ بہت کم آتا تھا' مگر جب آتا تھا تو بہت شدید آتا تھا' اور غصے میں کیا بولنا ہے کیا نہیں وہ کچھ نہیں سوچتی تھیں۔ اور نہ ہی اگلے بندے کو کچھ بولنے کا موقع دیتی تھیں۔ ابھی بھی یہی ہوا تھا' جس بات کو ابھی تک راز میں رکھا گیا تھا' وہ سامنے آگئی تھی۔ جبکہ عثمان ان کے اس انکشاف پر ہکابکا کھڑا انہیں دیکھے جارہا تھا۔

"امی...... آپ میرا نکاح کررہی ہیں۔ اس سائیکو کے ساتھ' وہ اس قابل ہے کہ میں اپنی ساری زندگی اس کے ساتھ برباد کردوں آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟"

"بس عثمان بہت ہوگیا' اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ تم اس کے بارے میں ایسی سوچ رکھتے ہو تو میں کبھی ایسا فیصلہ نہ ہونے دیتی۔"

"ابھی کون سا دیر ہوگئی ہے' منگنی ہے تو ہوئی ہی' جس کی فی زمانہ کوئی حیثیت نہیں' اور اب جبکہ آپ کو پتا چل گیا ہے کہ آپ کا بیٹا اس مس یونیورس کے لائق نہیں تو کیوں اس کی زندگی خراب کرنا چاہتی ہیں۔ منع کردیں' میں اس کے لائق نہیں کوئی اور لائق کھونٹا دیکھ کر انہیں باندھ دیجیے' کم از کم میں تو نہیں......" ان کی بات نے تو گویا اسے پتنگے لگادیے تھے۔ اس کے اندر آگ سی لگادی تھی' وہ مشتعل سا ہوا اٹھا تھا اور بنا ان کی جانب دیکھے ان کی کچھ بھی سنے برق رفتاری سے نکلتا چلا گیا۔ اس پل اس کے دماغ میں گویا جھکڑ سے چل رہے تھے۔ سب کچھ جیسے طوفان کی زد میں آگیا تھا۔ اس کی تو گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی تھی۔ تیزی سے باہر نکلتے ہوئے اسے یکدم جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رکا۔ غصے کی حالت میں تیزی سے گزرتے ہوئے اس نے قطعی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کسی کے نازک پاؤں کو اپنے بھاری شوز تلے کچلتا چلا گیا ہے۔ علم تو جب ہوا جب درد کی شدت سے کراہتے ہوئے ہزار ضبط کرنے کی کوشش میں بھی سسکی نہیں روک پائی تھی اور اس نے بادل نخواستہ پلٹ کر دیکھا تھا اور جسے دیکھا تھا اس نے تو گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"ہنہ ایڈیٹ' پاگل اور سائیکو تو لگتی ہی تھیں آج علم ہوا کہ کن سوئیاں لینے کی عادت بھی ہے محترمہ میں' ہنہ۔ ان کا انتخاب کیا گیا ہے میرے لیے۔" اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت الفاظ سے نوازتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔ جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے' آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

تب نکاح نہیں ہوا تھا' کیسے اور کیوں؟ یہ اسے بالکل علم نہیں تھا' اور نہ ہی وہ جاننا چاہتی تھی' اس نے تو شکر کیا تھا کہ بلا خود ہی سر سے ٹل گئی۔ اس نے اس پورے عرصے میں عثمان کو ٹوٹ کر چاہا تھا' بے پناہ محبت کی تھی' جب اسے علم ہوا تھا کہ عثمان کے ساتھ اس کا مستقبل وابستہ ہونے جارہا ہے اسے لگا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گئی ہو' عثمان بہت خوبرو انسان تھا' وہ کسی کا بھی خواب ہوسکتا تھا' مگر اس کا نہیں...... بقول عثمان کے کہ وہ سائیکو' پاگل اور ال مینرڈ تھی اور حقیقتاً وہ ایسی ہی تھی' اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ عام سی شکل وصورت والی تھی' ایسی ہرگز نہیں تھی کہ اگر کوئی دیکھتا تو دیکھتا رہ جائے۔ اس کے باوجود عثمان کے ساتھ تعلق اس کے لیے تو گویا مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کے مصداق تھا' وہ پہروں اسے سوچتی رہتی۔ علم تو اسے اب ہوا تھا جسے سپنوں میں اپنے ہمراہ چلتے ہوئے دیکھتی تھی' وہ تو سرے سے ہی لاعلم ہے اس کے بارے میں وہ کیا سوچتا ہے' کیا رائے قائم کرتا ہے اس کے بارے میں بولتے ہوئے کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں' کتنی نفرت سے اس کا ذکر کرتا ہے' وہ تو واقعی پاگل تھی جو سپنے بنتے ہوئے یہ بھول گئی کہ اکثر سہانے خوابوں کی تعبیریں سہانی نہیں ہوتیں' لیکن آج وہ اچھی طرح جان بھی گئی تھی اور مان بھی گئی تھی۔

اس نے عثمان کے بارے میں سننا اور سوچنا چھوڑ دیا تھا مگر بالکل غیر ارادی طور پر خود کو اس کے قابل بنانے کے لیے نہیں بلکہ خود کو ویل مینرڈ ثابت کرنے کے لیے بدلنے لگی تھی' وہ خود کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ جسے پاگل اور سائیکو کہہ کر ریجیکٹ کیا گیا ہے وہ سوبر اور ویل مینرڈ ہے' اسے کوئی بھی یونہی منہ اٹھا کے بنا اس کے جذبات کی پروا کیے کچھ بھی سنا کے نہیں جاسکتا' اور اس نے خود کو اس قابل بنا بھی لیا تھا۔

وہ بی ایس کے فرسٹ ایئر میں تھی جب اسے ایک دھماکا خیز نیوز ملی۔

عثمان اور مہر کا نکاح ہورہا ہے وہ بھی عثمان کی مکمل رضامندی کے ساتھ۔ کسی نے اس کی رضامندی لینے کی کوشش نہیں کی تھی' بنا اس سے پوچھے تاریخ طے کردی تھی۔ اس کی عزت نفس کو مٹی میں ملا دیا گیا تھا۔ اس کے جذبات کی پروا کیے بنا اتنا بڑا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔

''امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' اس کا پورا حق تھا احتجاج کرنے کا۔

''کیا بات ہے مہر! طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔'' وہ حسب معمول پریشان سی اس کی جانب بڑھی تھیں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرنے لگیں۔

''امی میں ٹھیک ہوں پلیز۔'' اس نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے مضطرب سے انداز میں کہا۔

''طبیعت ٹھیک ہے تو اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو کوئی بات ہوئی ہے کیا؟''

''کوئی بات امی؟ اتنی بڑی بات ہوگئی ہے اور اب بھی آپ کہہ رہی ہیں کوئی بات ہوئی ہے۔ آپ میرا نکاح کرنے جارہی ہیں اور ڈیٹ بھی فکس کردی ہے؟''

''ارے ہاں' کل آپا کا فون آیا تھا' وہ لوگ نکاح کی تاریخ مانگ رہے تھے' میں نے تو کہا کہ کچھ دن ٹھہر جائیں تمہارے ایگزیمز چل رہے ہیں مگر مان کر نہ دیں' کہہ رہی تھیں عثمان اتاؤلا ہوا جارہا ہے' اوپر سے انہوں نے تمہارے ابو سے بھی رضامندی لے لی ہے' مجھے بھی فون کردیا کہ تاریخ دے دوں' اب میں کیا کرتی سب کی مشترکہ مرضی......''

''مشترکہ مرضی...... اور میری مرضی کی کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں؟ ڈیٹ فکس کرنے سے پہلے میری مرضی میری رضامندی لینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ کیا میری رائے اتنی غیر اہم تھی' میری زندگی کی ڈور اس شخص کے ساتھ جوڑنے جارہے ہیں جس کے لیے میں ایک سائیکو اور ال مینرڈ لڑکی ہوں۔ اس لائق فائق انسان کے لیے ایک میں ہی رہ گئی ہوں کیا؟''

''بیٹا یہ سب اس نے محض تمہیں سنانے کے لیے کہا تھا'

تاکہ تم خود کو بدل لو۔ یہ جو تم ہول جلول حلیے میں گھومتی رہتی تھیں اسے چڑ ہوتی تھی یوں تو تم کسی کی سنتی نہیں تھیں اسی لیے اس نے یہ راہ ڈھونڈی تاکہ.....“

”مجھے سدھارنے کے لیے دل و روح کو چھلنی کردینے والے الفاظ استعمال کیے، مجھے بدلنے کے لیے میری عزت نفس کو مجروح کیا، آپ ہی بتایئے امی! اگر وہ ایسے ہی مجھے خود کو بدلنے کے لیے کہتا تو کیا میں نہ بدلتی؟“

”ہاں، کیونکہ تمہیں جب بھی کوئی کچھ کہتا تھا تم اگنور کردیتی تھیں۔“ انہوں نے فوراً بات کاٹی تھی۔

”آپ کی بات اور ہے امی! جب آپ کہتی تھیں تو مجھے لگتا تھا آپ باقی سب ماؤں کی طرح اپنی بیٹی کے لیے کچھ زیادہ ہی پوزیسو ہورہی ہیں۔ بہرطور اس نے جو کیا وہ مجھے برا لگا بہت برا، اس نے میرے دل کو بہت زیادہ ٹھیس پہنچائی ہے اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں جب دل میں ایک بات ٹھہر جائے تو ہر چیز بری لگتی ہے، جب ایک بار چہرہ دھندلا جائے تو اسے صاف شفاف دیکھنے کی حسرت بھی معدوم ہوجاتی ہے۔ مجھے عثمان سے نکاح نہیں کرنا، یہ میرا حتمی فیصلہ ہے آپ بھی سن لیجیے اور باقی سب کو بھی انفارم کردیں۔“ اس کے اٹل انداز پر وہ دل پر ہاتھ رکھ کر وہیں ڈھے گئی تھیں۔ مہر نے قدرے چونکتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تھا۔

”کیا ہوا امی! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی تھی۔ انہوں نے محض سر ہلایا۔

”دیکھو مہر اگر تم نے انکار کرنا ہے تو سو بار کرو لیکن اتنا یاد رکھنا اس انکار کی وجہ سے میرے اندر جو آندھی طوفان سر اٹھا رہے ہیں وہ بربادی و تباہی لے کر آئیں گے، یہ نہ ہو کہ ایک ذراسی بات کی پھانس لیے تم ساری زندگی کے پچھتاوے خرید لو۔“

”کیا مطلب امی! مجھے سمجھ نہیں آئی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“

”دیکھو مہر تم اچھی طرح جانتی ہو میری شادی میری مرضی سے ہوئی تھی، کوئی بھی اس شادی سے خوش نہیں تھا میں نے ضد کی، جان دینے تک کی دھمکی دی میرا فیصلہ غلط نہیں مگر سب مجھے اپنی مرضی کرتے دیکھ کر اپنی عزت کو ملیا میٹ ہوتا دیکھ کر سرتوڑ کوشش کررہے تھے کہ میں اپنے فیصلے سے ہٹ جاؤں، مگر میں ضدی تھی جیسے اب تم...... میں نے کسی کی ایک نہ سنی، میرا رشتہ طے ہوگیا، تمہارے ابو غیر برادری سے تعلق رکھتے تھے ان کا بھرا پرا گھر تھا مگر وہاں بھی اس رشتے پر کوئی راضی نہیں تھا، اسی لیے وہ تن تنہا یہ معرکہ سر کرنے چلے آئے۔ میں لڑکی تھی اوپر سے حد درجہ ضدی، بات منوانا میری فطرت، بھاگنا میری سرشت میں کہیں نہیں تھا، اور نہ ہی میں نے کبھی اس نہج پر سوچا تھا، میری شادی ہوگئی، سب ناراض مگر منہ پہ خوش اخلاقی سجائے پھرتے رہے، ایک اماں تھیں اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے (آمین) انہوں نے کوئی مروت نہ دکھائی، اور آخر تک مجھے بے بھاؤ کی سناتی رہیں۔ انہوں نے بددعا تو کوئی نہ دی لیکن ماں کی آہ تو عرش تک کو ہلادیتی ہے، وہ مجھ سے روٹھی روٹھی ہی رخصت ہوگئیں اور میں ان کی نہ دی گئی بددعاؤں کی زد میں آ گئی اور آج تک اسی گھر میں پڑی ہوئی ہوں، تمہاری شادی ہونے کو آئی مگر مجھے سسرال والوں نے ابھی تک قبول نہ کیا، تمہارے ابو تو ساری زندگی بیرون ملک بس گئے، جبکہ میں اپنے ہی ماں باپ کی دہلیز پہ بیٹھی بھابیوں کے شہد میں لپٹے طنز، طعنے سنتی رہی، ان کی سرگوشیاں مجھے اندر تک ادھیڑ دیتی ہیں، خیر میری عمر تو گزر چکی بیٹا، مگر میں نہیں چاہتی تمہیں یہ سب سہنا پڑے۔“ ان کی آواز لرز رہی تھی، زبان کی لڑکھڑاہٹ ان کے اندرونی جذبات کی عکاسی کررہی تھی۔

”تو آپ یہ سب کیوں سہہ رہی ہیں امی، کس نے مجبور کیا ہے آپ کو، اگر آپ کو آپ کے سسرال والوں نے قبول نہیں کیا تو کیا ابو آپ کو ایک علیحدہ گھر نہیں دے سکتے تھے۔“ اس نے کسی قدر طنزیہ اور ناگوار لہجے میں استفسار کیا تھا۔ اتنے برس بیت چکے تھے مگر اسے علم نہ ہوسکا کہ گھر کی فضا اتنی کشیدہ رہتی ہے۔

”ہاں، کیونکہ وہ اس وقت تہی دامن تھے، وہ مجھ سے

شادی کی خاطر سب کچھ چھوڑ آئے تھے میں نے بھی ان پر کوئی زور نہیں دیا' جب تک وہ یہاں رہے' ہم کرائے کے گھر میں رہے' غیرت مند تھے اسی لیے سسرال میں نہیں رہے۔ لیکن جب گئے تو مجھے یہاں چھوڑ گئے' گھر والے ناراض تھے مگر انہوں نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا' اپنے تھے ناں' لیکن تمہارے ابو وہاں گئے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے' گھر کی بات کرتی تو کہہ دیتے' میں جلد آؤں گا' مگر وہ جلد کبھی نہیں آیا۔"

"او گاڈ' مام..... آپ....." وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی۔ زبیدہ اظفر بہت دیر تک سسکتی آنسو بہاتی رہیں۔ پھر مہر کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"اسی لیے میں چاہتی ہوں تم وہ تاریخ نہ دہراؤ۔ اس سیاہ ورق کو میں نے شروع سے ہی بند رکھا ہے' بھولے سے بھی کھولنے کی ہمت نہیں کی' چاہتی ہوں کہ اب بھی مجبور نہ ہوں۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں اسے بتایا تھا۔

"امی پلیز' آپ جہاں کہیں گی میں وہیں شادی کروں گی' ہرگز نہیں پوچھوں گی کہ مجھ سے منسوب ہونے والا شخص کون ہے..... کیسا ہے؟ مگر یہاں کے لیے مجبور مت کریں۔ آپ نہیں جانتیں میں کتنی ڈس ہارٹ ہوئی ہوں۔ عثمان کے ساتھ میرا دل نہیں مانتا۔ جو اس نے کہا وہ میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔"

"یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے بیٹا' تم نے جو سنا وہ محض تمہیں سنانے کے لیے تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس بات کو دل سے لگا بیٹھی ہو' بڑے جو فیصلے کرتے ہیں وہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔"

"آئی نو امی..... لیکن مجھے عثمان سے شادی نہیں کرنی۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اگر آپ ضدی ہیں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"اگر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی سن لو۔ تمہارا نکاح ہوگا اور عثمان سے ہی ہوگا۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔"

"واٹ..... " وہ جتنی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی اسی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"امی کسی کی ضد کی خاطر آپ اپنی بیٹی کو....."

"کسی کی ضد کی خاطر نہیں' بلکہ اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں چاہے تم اسے بلیک میلنگ ہی سمجھ لو۔" انہوں نے لہجے میں سختی بھر کر نہایت سرد انداز میں کہا تھا۔

مہر کتنے ہی لمحے ہک دک سی کھڑی رہی۔

⁂ ...... ⁂ ⁂ ⁂ ...... ⁂

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے عثمان۔" وہ اس وقت نوید' ذہاب اور شاہین کے ساتھ بیٹھا تھا' تبھی جی آر شگفتہ چہرے پر خفگی بھرے تاثرات لیے ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ ناچاہتے ہوئے بھی عثمان کو متوجہ ہونا پڑا۔

"جی کہیے مس شگفتہ' خیریت۔" استفہامیہ انداز میں استفسار کیا تھا اور اس کے استفسار پر کچھ پل وہ لفظ اکٹھے کرتی رہی' جبکہ عثمان منتظر ہی رہا۔

"کیا آپ پہلے سے انگیجڈ ہیں؟" اس نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایسی لڑکی تھی جو دل میں بات رکھنے کی قائل نہ تھی' اس کے نزدیک ٹینشن لینے سے بہتر ہر معاملے کو آر یا پار لگا دینا تھا۔

"آپ یہ پوچھنے کے لیے مجھے یہاں لے کر آئی ہیں؟"

"جی.....! اور مجھے اس کا جواب بھی چاہیے۔" عجیب دھونس بھرا انداز تھا۔ عثمان کو ازحد ناگوار گزرا تھا۔

"ایکسکیوز می مس شگفتہ صاحبہ' یہ میرا پرسنل معاملہ ہے اور اپنی ذاتیات میں' میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا' اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔ مائنڈ اٹ۔" اس نے خاصے سرد اور کھردرے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کے پرسنلز آپ کے پرسنلز میں میری کوئی جگہ نہیں' اگر آپ کے نزدیک میری کوئی حیثیت نہیں تو مجھے اس راہ پر چلایا کیوں..... آپ کو.....؟"

"جسٹ آ سیکنڈ! آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں آپ ہوش میں تو ہیں۔" اس نے کسی قدر استفہامیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی قدر ناگواریت سے کہا تھا۔

"جی بالکل! میں پورے ہوش وحواس میں آپ سے مخاطب ہوں۔" اس نے کسی قدر جتاتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھیے محترمہ مجھے نہیں پتا کہ آپ کس بیس پر اتنی بڑی بات کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں آپ کو اتنا بتادوں میں صرف انگیجڈ ہی نہیں نکاح بھی ہو چکا ہے میرا اور جس کے ساتھ میں وابستہ ہوں اس کے ساتھ مخلص بھی ہوں۔ اس کے ساتھ میری جذباتی وابستگی بھی ہے مجھے جتنا عرصہ ہوا ہے اس یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے الحمدللہ اس عرصے میں میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو یا ہتک محسوس ہوئی ہو جتنی مجھے اپنی عزت کی پروا ہے اتنا ہی دوسروں کی بھی مجھے خواتین کے تقدس اور اس یونیورسٹی کے تقدس کا بھی خیال ہے میں نہیں جانتا کہ آپ کو میری کس بات نے اتنی غلط فہمی میں مبتلا کیا لیکن میں نے نہ آپ کے اور نہ ہی کسی اور لڑکی کے بارے میں ایسا کچھ فضول سوچا ہے اور دوسری بات یہ کالجز یونیورسٹی یہ تعلیمی ادارے پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں ناکہ ایسی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں پال کر اپنی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ یہاں ہمیں شعور دیا جاتا ہے ناکہ...... خیر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اگر جانے انجانے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو ایم رئیلی ویری سوری...... ایکسکیوز می۔" اس کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کیا اور وہاں سے چلے جانے کو ترجیح دی تھی جبکہ شگفتہ......!

اس کے تو گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت نفس کو مجروح کیا تھا ایسے کہ کسی دوسرے سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

اوگاڈ! یہ بارش رکتی کیوں نہیں اتنے دنوں سے برسی ہی جارہی ہے اوپر سے یہ انڈینز پانی پہ پانی چھوڑے جارہے ہیں خود تو بچ جاتے ہیں پاکستان کی معصوم عوام کو مصیبتوں کے سپرد کردیتے ہیں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ان لوگوں میں۔ انہیں تو موقع ملنا چاہیے معصوم پاکستانیوں کو تکلیف پہنچانے کا۔" وہ اس وقت چھت پر پھیلے ہوئے کپڑے اتارنے آئی تھی ساتھ ہی بارش شروع ہوگئی تھی۔

"ان کو کیوں کوس رہی ہو ان کا کیا قصور ہے اگر وہ ادھر پانی نہ نکالیں گے تو جیسے ہمارے گاؤں کے گاؤں اور دیہاتوں کے دیہات تباہ ہوتے ہیں اس وقت وہ لوگ اس سب کا شکار ہوئے ہوتے یہاں تو بھائی بھائی کو نہیں بخشتا وہاں تو معاملہ ہی گہری دشمنی کا ہے۔" جانے کب سے بارش کی برستی بوندوں تلے کھڑا عثمان اس کی باتوں پر محظوظ ہوتے ہوئے خود کو بولنے سے روک نہیں پایا تھا۔

دوسری جانب اس کے یوں بولنے پر اسے یک دم جھٹکا سا لگا تھا۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ چھت پر اس کے علاوہ بھی کوئی اور ہے۔ اس کی بات پر اس نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"ہنہ! لگتا ہے انہوں نے آپ جیسوں سے ہی ٹریننگ لی ہے منہ پہ کچھ دل میں کچھ...... دونوں ایک سے دھوکے باز خود غرض اور...... انہہ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی سختی سے ہونٹ بھینچے اور کپڑے سمیٹ کر وہاں سے جانے لگی۔

"وہ بات کلیئر ہوچکی ہے مہر پھر کیوں تم اسی کو لے کر کڑھتی رہتی ہو کیوں بار بار خود اذیتی کا شکار ہوتی ہو۔"

"کوئی بھی بات کلیئر نہیں ہوئی جو آپ نے کہا وہ آج بھی میرے دل پر لکھا ہوا ہے۔" اس کے لہجے میں از حد سنجیدگی اور اشتعال پنہاں تھا۔ عثمان قدرے حیران ہوا۔

"کیوں مہر! یہ سارا معاملہ کلیئر ہوا تبھی تو ہمارا نکاح ہوا تھا تبھی تو تم راضی ہوئی تھیں۔"

"جی نہیں...... یہ نکاح میری مرضی سے ہرگز نہیں ہوا۔ یہ محض آپ کی آپ کے گھر والوں کی اور میرے گھر والوں کی مرضی سے ہوا تھا ورنہ میرا جواب کسی سے پوشیدہ ہرگز نہیں تھا ہاں یہ اور بات کہ ہر کوئی انجان بنا پھرے تو......!" اس

نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ رشتہ صرف میرے لیے اہم ہے، تم نے محض ایک رشتہ قائم کیا ہے، جس میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔" وہ گویا کسی گہرے شاک میں مبتلا ہوا۔ وہ تو اپنی خوش فہمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اس نے گہرے دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ مسکرائی اور رخ موڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

جانے کتنے ہی لمحے بیت گئے تھے اسے اس راہ کو دیکھتے ہوئے جہاں سے وہ دشمن جاں گزر گئی تھی۔ اس وقت اسے خود میں اور شگفتہ میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی شاید غلط فہمی یا خوش گمانی کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور میں بھی دھوکے میں ہی مارا گیا تھا۔

✿......❀✿❀......✿

"یار اس بار اینول فنکشن ذرا یادگار سا ہونا چاہیے، یہ ہمارا لاسٹ ایئر ہے، اس کے بعد ہم کہاں، کون جانے اس کی ہر یاد یادگار ہونی چاہیے۔" آج بہت دنوں بعد سب دوست اکٹھے ہوئے تھے، تبھی شاہین نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ایم سوری یار، شاید میں نہ آ سکوں۔" جواباً عثمان گہری سنجیدگی لیے گویا ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی یار، تو نہیں آ رہا، شگفتہ صاحبہ آل ریڈی غیر حاضر ہیں، ارم صاحبہ کی شادی ہو رہی ہے، اس کا بھی ابھی کوئی فائنل نہیں ہوا کہ آئے گی یا نہیں، تو پھر کیا ہم یہاں جھک مارنے آئیں گے، شگفتہ کے نام پر چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا، ارم چونکہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس لیے اس کے تاثرات چھپے نہ رہ سکے تھے، باقی سب نے بھی اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

تبھی ارم نے استفسار کیا۔

"کیا بات ہے عثمان، سب ٹھیک تو ہے ناں، آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں۔" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

اس کے پوچھنے پر عثمان نے دزدیدہ نظروں سے ان سب کی جانب دیکھا۔

"ایم سوری یار لیکن تم لوگوں نے مل کر مجھے ایسے گناہ میں ملوث کر دیا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں، محض ذرا سا مذاق، ذرا سی غلط فہمیاں کسی کو خوش فہمی کا شکار بنا کر ساری زندگی کے لیے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتی ہیں۔ شاید تم جیسے لوگ یہ نہ سمجھ سکیں، تم لوگوں کو علم ہے کہ تم لوگوں کے ذرا سے مذاق، ان ڈائریکٹ فقرے بازی اور خوش فہمی کے پہاڑ پر چڑھا دینے والی چھیڑ چھاڑ کے باعث مس شگفتہ کو اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار بنا دیا، ان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میں، میں ان میں انوالو ہوں، انہیں پسند کرنے لگا ہوں، انہیں لگتا تھا میں ان میں انٹرسٹڈ ہوں، اور جب انہیں علم ہوا کہ میں آل ریڈی انگیجڈ ہوں تو وہ اپنی عزت نفس، اپنے وقار کو پس پشت ڈالتے ہوئے مجھ سے استفسار کرنے چلی آئیں اور آج اگر انہوں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑی ہے تو صرف اپنی عزت نفس کو مزید مجروح ہونے سے بچانے کے لیے، میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں یار، بہت زیادہ لڑکیاں اتنی جذباتی ہوتی ہیں کہ ذرا سے مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو کس انداز میں لے لیتی ہیں، بہرطور اس سارے قصے میں ہم سب قصوروار ہیں۔"

"شرمندہ تو ہم بھی ہیں یار تم سے بھی اور شگفتہ سے بھی، ہم تو بہت پہلے سے جانتے تھے جب انہوں نے یونیورسٹی آنا چھوڑا تھا، ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا وہ ہمارے چٹکلوں کو اتنی سنجیدگی سے لے لیں گی اور جو جرم ہم سے ہوا ہے اس کی پاداش میں وہ خود کو اذیت دیتے ہوئے ایک جاہل گنوار سے شادی کا فیصلہ کر لیں گی، حقیقتاً ہم سب نے مل کر ایک لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔" نوید نے ایک اور انکشاف کیا۔

"کیا......؟ وہ اس جنگلی صفدر سے شادی کر رہی ہے؟" اسامہ کو یک دم جھٹکا سا لگا تو وہ اچھل کر کھڑا ہوا، اس کے یوں اچھلنے پر باقی سب چونکے تھے۔

"کیا بات ہے شہزادے! یہ اچھلنا اور چونکنا بہت کچھ اخذ کرتا ہے، ایم آئی رائٹ گائز۔" رضوان کسی بڑے مفکر کی طرح آنکھیں گھماتے ہوئے گویا ہوا۔ باقی سب معنی

خیزی سے مسکرانے لگے تھے۔

عثمان نے کسی قدر ناگواری سے ان سب کی جانب دیکھا تھا۔

"تم لوگ کبھی نہیں سدھر سکتے' ابھی اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے اور ابھی اگین وہی مفروضے دہرانے شروع کردیئے ہیں۔"

"یہ مفروضے نہیں لگ رہے یار آئی ریئلی لوڈ ہر اور یہ یاب کی بات تمہیں میں شروع سے ہی اسے پسند کرتا تھا' مگر بیچ میں یہ سب ہوگیا اور نہ میں اسے کچھ بتاسکا اور نہ ہی وہ کچھ سننے اور دیکھنے کی پوزیشن میں تھی لیکن اب میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" وہ ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"اگر تم واقعی سریس ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں آخر یہ مس شگفتہ کی پوری زندگی کا سوال ہے' کوئی بھی غلط اسٹیپ ان کی زندگی خراب کردے گا۔" عثمان کی بات پر سبھی کے چہرے پر چھائی خوشی مزید گہری ہوئی تھی۔

"ہم سب بھی ساتھ ہیں۔" سبھی نے ہاتھ اٹھائے تھے۔

اسامہ تو خوش تھا ہی مگر عثمان کو لگا ایک تو اس کا بوجھ کم ہوگیا دوسرا وہ شگفتہ سے اپنے گزشتہ رویے پر معذرت بھی کرلے گا کیونکہ اس کی وجہ سے جانے کتنی اذیت ہوئی ہوگی اسے۔

اسامہ خوش قسمت تھا' اس کی سن لی گئی تھی' یہ سب کیسے ہوا؟ صفدر کو ناں اور اسامہ کو ہاں کیسے ہوئی؟ یہ ایک لمبی اسٹوری تھی' بہرطور اسامہ کو اس کی محبت مل گئی تھی' اور شگفتہ......! اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور عثمان اس نے پہلی فرصت میں ہی شگفتہ سے معذرت کرلی تھی جانے انجانے میں ہی سہی بہرحال وہ اسے تکلیف تو پہنچا ہی گیا تھا' غلطی اگر شگفتہ کی تھی تو ان سب کا بھی اتنا ہی قصور تھا' سبھی نے اس سے معذرت کی تھی اور ان کی انگیجمنٹ کو بھرپور طریقے سے انجوائے کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اگر تم مجھ سے کھل کر بات کرلو تو شاید میں بھی مطمئن ہو جاؤں اور تمہاری غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں۔"

"مجھے ایسی کوئی غلط فہمی نہیں ہے جسے دور کرنے کی کوئی حاجت ہو' ایکسکیوزمی......" سرد سے انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"لیکن مجھے ضرورت ہے۔ جس رشتے میں ہم بندھے ہیں اس میں لاتعلقی ایک اضافی سلسلہ بنے تب میں مزید جاری نہیں رکھ سکتا' تمہیں کوئی غلط فہمی نہیں تو یہ سرد انداز ورویہ چہ معنی دارد؟" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بے چینی واضطراب تھا جسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کررہی تھی۔

حالانکہ اب وہ خود بھی تنگ آگئی تھی اس چوہے بلی کے کھیل سے' آج وہ بھی چاہتی تھی یا تو یہ طوق اتر جائے یا پھر......!

"کون سی غلط فہمی دور کریں گے' مجھ جیسی پاگل سائیکو ال مینرڈ لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر کی......! کیا یہ میری غلط فہمی تھی یا جو میں نے سنا وہ سچ نہیں تھا یا جو آپ نے کیا وہ ایک ڈرامہ تھا...... یا آپ نے محض مجھے نیچا دکھانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا۔ کیا یہ میری غلط فہمی تھی؟ یا میرے پیروں کو کچل کر ثابت کرنا کہ میری حیثیت ایک تنکے کی مانند ہے اور میری اہمیت کتنی ہے آپ کی زندگی میں' یہ میری غلط فہمی تھی۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے لبوں سے سسکی ابھری تھی جسے اس نے ضبط کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"وہ محض ایکسیڈنٹ تھا مہر میں نے جان بوجھ کر تمہارے پاؤں پہ پاؤں نہیں رکھا تھا' آئی سوئیر پلیز بلیو می۔" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی اسے کیسے یقین دلائے۔

"اور ریئلی! چلیں مان لیتی ہوں' وہ محض ایکسیڈنٹ تھا اور اس روز جو آپ نے کہا' کیا واقعی وہ میری غلط فہمی تھی بقول امی مجھے سدھارنے کے لیے ایک لازوال ڈرامہ تخلیق کیا گیا تھا اور پلیز آج جھوٹ مت بولیے گا میں آل ریڈی ایسی ڈرامہ بازیوں سے تنگ آچکی ہوں اگر سچ ہوا تو شاید کوئی گنجائش نکل آئے۔" اس کی بات پر وہ چند لمحے خاموش

رہا۔ وزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

”جو میں نے کہا وہ تب سچ تھا اور میرا خیال ہے تب جو میں نے کہا وہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔“ اس کی بات پہ مہر نے شکایتی انداز میں دیکھا وہ نظریں چرا گیا۔

”فطری سی بات ہے جب آپ کے لیے کسی کو چنا جائے تو آپ نا چاہتے ہوئے بھی اسے سوچتے ہوا سے دیکھنے کی خواہش کرتے ہو اور تب تم آئم رئیلی سوری بٹ..... اس وقت ایمان داری سے کہوں تو ال مینرڈ اور سائیکو ہی لگتی تھیں اس روز جو میں نے کہا وہ میرے احساسات تھے اس وقت مجھے لگا گویا میں تباہ ہو رہا ہوں میرا مستقبل تاریک ہو رہا ہے اس روز جو میرے دل میں آ رہا تھا میں وہ بولتا جا رہا تھا لیکن بعد میں جب تم بدل گئیں تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جذبات میں آ کر میں نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی میں نے سب کو بلیک میل کیا اپنی ہی غلطی کو ڈرامہ کا نام دے کر سب کو راضی کر لیا آئی سوئیر مہر اس میں صرف یہ جھوٹ تھا باقی سب سچ تھا میری فیلنگز میرے احساسات وجذبات سب سچ تھا میں تم سے محبت کرتا ہوں مہر پلیز بلیومی۔“ وہ سنجیدگی سے بتاتے ہوئے ایک دم پٹڑی سے اترا جبکہ مہر کنفیوز ہوتے ہوئے کانوں کی لووں تک سرخ ہوگئی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی تبھی عثمان نے اس کی کلائی تھام لی..... اس کے لمس نے گویا اس کے پورے وجود میں پھریری سی بھر دی تھی چہرہ گلنار ہو گیا اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

”ایسی حرکتیں مجھے بالکل پسند نہیں مائنڈ اٹ۔“ غصے بھرے لہجے میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

عثمان محظوظ ہوتے ہوئے لب دانتوں تلے دبا گیا۔

”لیکن اتنا حق تو بنتا ہے میرا آفٹر آل تم میری منکوحہ ہو۔“ اس کی نرمی پہ وہ ذرا رعب میں تنا آیا تھا۔

”پلیز زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں مجھے بہت برا لگ رہا ہے خاصے چیپ لگ رہے ہیں اس وقت۔“ اس نے بنا لگی لپٹی رکھے فٹ سے بول دیا انداز اتنا معصومانہ تھا کہ عثمان بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

مہر کو اس سے ایسی کوئی امید نہیں تھی جھینپ کر رہ گئی اور کافی دیر تک کچھ نہ بولی تو عثمان سنجیدہ ہو گیا۔

”جو میرے دل میں تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور نہ ہی کوئی مبالغہ آرائی کی ہے آئی ہوپ تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی اور اگر نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے اب تم محض چھوٹی سی بات کو لے کر.....!“

”میں ہر بات بھول گئی ہوں عثمان۔ میں خوش اور مطمئن ہوں جب مجھے آپ کے ساتھ اپنے تعلق کا علم ہوا تو میں بہت خوش تھی مجھے آپ کے ساتھ پر فخر تھا مجھے تب اپنا آپ کے بغیر ادھورا لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے لیکن.....!“

”لیکن.....!“ اس لیکن پہ عثمان کی جان اٹک گئی تھی۔

”لیکن آپ کی اس روز کی باتیں..... اور میرے پیروں کو بے دردی سے کچل کر گزر جانا اور اس وقت آپ کے چہرے کے وہ سرد کرخت تاثرات میں کبھی نہیں بھول سکتی کسی کے بھی کہنے سے نہیں شاید آپ کا ساتھ مجھے سب بھلا دے میں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں اس وقت کا انتظار ضرور کروں گی یہ تو میرے دل کا معاملہ ہے بہرحال مجھے آپ کے ساتھ پر کوئی اعتراض نہیں میں پہلے بھی آپ کے ساتھ مسرور تھی اب بھی ہوں۔“ اس نے جھجکتے ہوئے سب کہہ دیا آج وہ کچھ بھی اپنے دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی کہہ کر ہلکی پھلکی ہوئی ایک نظر حیران ومسرور کھڑے عثمان کو دیکھا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

”وہ دن دور نہیں مہر جب میری محبت میری پرخلوص رفاقت تمہیں سب کچھ بھلا دے گی ان شاء اللہ یہ میرا وعدہ ہے تم سے بھی اور خود سے بھی۔“ وہ خوش تھا مطمئن تھا آج ساری کثافتیں ایک دم ڈھل گئی تھیں وہ سرشار سا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسی راستے پر چل پڑا جس پر وہ چل کے گئی تھی جیسے دل کی شاہراہ پر چلتے ہوئے اسے فتح کرنے نکل پڑا ہو۔

ختم شد